خودنوشت سوانحی خاکہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ

[اسلامی دنیا کے مایہ ناز محقق اور اہل السنّت والجماعت علمائے دیوبند کے امام، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ۵ مئی 2009 کو رحلت فرما گئے، اہل قلم اور اہل علم، ان کی خدمات، ان کے فیوض اور ان کے علمی مقام اور مرتبے پر لکھ رہے ہیں اور لکھیں گے، قارئین وفاق المدارس اس کے لئے ہم ان کی وہ تحریر شائع کر رہے ہیں جس میں انہوں نے اپنے بچپن، طالب علمی اور بعد کے علمی سفر کے احوال لکھے ہیں...... ذرا پڑھئے اور دیکھئے کہ ہزارہ کی وادیوں میں در در ٹھوکریں کھانے والے ایک یتیم نے حصول علم کے لئے کتنی مشقتیں برداشت کیں؟...... کس قدر مصیبتیں جھیلیں لیکن پایہ استقامت کے ساتھ، ان مراحل سے گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں جو بلند مقام عطا کیا وہ سب کے سامنے ہے۔] (مدیر)

نام، ولدیت، سن ولادت اور جائے پیدائش:

نام محمد سرفراز، والد کا نام نور احمد خان مرحوم، دادا کا نام گل احمد خان مرحوم، قوم سواتی (شاخ مندراوی) جائے پیدائش ڈھکی چیڑاں داخلی کڑمنگ بالا، سابق ڈاکخانہ بٹل علاقہ کونش، تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد (مغربی پاکستان) ہے صحیح طور پر تو معلوم نہیں اور نہ کوئی تحریر موجود ہے بزرگوں کے مختلف بیانات کی روشنی میں قدر مشترک یہ ہے کہ راقم کی ولادت ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ ہوئی ہے۔ (عزیزم عبداللہ مجھ سے تقریباً تین سال چھوٹا ہے اس لحاظ سے اس کی ولادت ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ کی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ہمارے والد مرحوم کی پہلی شادی اپنے حقیقی چچا محمد خان مرحوم کی لڑکی بی بی رحمت نور مرحومہ سے ہوئی (یہ ہماری سوتیلی والدہ تھیں اور پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۹ء میں گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں ان کی وفات ہوئی اور یہیں مدفون ہیں۔ (اللھم اغفر ھا وارحمھا) اس شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اپنے بزرگوں سے اور خصوصاً والدہ مرحومہ سے عبدالغفورؒ سنا ہے، جوانی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا، اسکے بعد تقریباً تیس سال تک ہمارے والد مرحوم کے ہاں باوجود والدہ مرحومہ کے علاج ومعالجہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جب ہمارے والد مرحوم کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہوگئی تو ہماری سوتیلی والدہ مرحومہ اور خاندان کے بعض دیگر بزرگوں نے ہمارے والد مرحوم کو اولاد کی غرض سے دوسری شادی کرنے پر مجبور کیا، پہلے تو وہ پہلو تہی کرتے رہے بالآخر وہ بھی مجبور ہو گئے، ڈنہ کے مقام کے چیچی خاندان کی پندرہ سولہ سال کی ایک خاتون سے جن کا نام بی بی بخت آورؒ تھا خاصی کش مکش کے بعد نکاح ہو گیا، دونوں کی عمروں کے

نامناسب ہونے کی وجہ سے بعض رشتہ دار ابتدائی مرحلہ میں سخت مخالف تھے بالآخر سب راضی ہو گئے یہ ہماری حقیقی والدہ تھی شادی کے بعد ۱۹۱۱ء کے لگ بھگ ایک لڑکی پیدا ہوئی جو ہماری بڑی ہمشیرہ ہے۔اس کے بعد تقریباً تین سال بعد راقم کی ولادت ہوئی پھر تقریباً تین سال بعد عزیزم صوفی عبدالحمید کی ولادت ہوئی اس کے بعد تقریباً ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ ہماری چھوٹی ہمشیرہ پیدا ہوئی۔

ہماری یہ چھوٹی ہمشیرہ تقریباً چالیس دن کی تھی کہ ہماری حقیقی والدہ بی بی بخت آور مرحومہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر تقریباً پچیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئی اور ہم چاروں بہن بھائی اپنی حقیقی ماں کی مامتا سے محروم ہو گئے اور وہ بھی بے بسی کی حالت میں اپنے معصوم بچوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم قطعی کو لبیک کہتی ہوئی آخرت کو روانہ ہو گئی۔ اس کے دل میں کیا کیا حسرتیں ہوں گی؟ کون اندازہ کر سکتا ہے؟ ان تمام حسرتوں کے عوض اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس مرحمت فرمائے، ہم پہلے بھی اپنی سوتیلی والدہ کی گود میں رہتے تھے اور حقیقی والدہ کی وفات کے بعد تو گود ہی وہی تھی اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ ایسی نیک دل خدمت گزار ہمدرد اور مہربان وشفیق سوتیلی والدہ شاید ہی کسی کو میسر ہوئی ہو جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمائی تھی۔اللہ تعالیٰ ان تمام کو اپنی رحمت کے جوار میں جگہ مرحمت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

والد مرحوم کا دین سے لگاؤ:

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو والد مرحوم کو بالکل سفید ریش دیکھا ایک بال بھی سر اور داڑھی میں سیاہ نہ تھا بخلاف اس کے ہمارے دادا جی مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے ان کی داڑھی اور سر میں بال سیاہ بھی تھے اور ان کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی، جب دونوں باپ بیٹا اکٹھے ہوتے تو دیکھنے والوں کو الٹ شبہ پڑتا، ہمارے گھر کے قریب کوئی اور مکان نہ تھا تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہمارے دادا صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی میر عالم خان مرحوم کے دو مکان تھے جو بالکل آس پاس تھے اور انہوں نے اپنی سہولت کے لیے مسجد بھی تعمیر کر لی تھی، بحمد اللہ تعالیٰ سبھی بزرگ متشرع اور پختہ نمازی تھے، ہمارے والد مرحوم اکثر نمازیں گھر ہی میں پڑھتے تھے اور گھر سے باہر ایک چبوترہ نماز کے لیے بنا رکھا تھا اور جانوروں سے اس کی بڑی حفاظت کیا کرتے تھے، تہجد اور باقی نمازوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے یہی حال ہماری سوتیلی والدہ مرحومہ کا تھا والد مرحوم کبھی کبھی اذان خود بھی کہتے تھے مگر زیادہ تر مقابل میں دوسرے پہاڑ پر جگوڑی کے مؤذن کی اذان پر نمازوں اور سحری اور افطار کا انحصار ہوتا تھا۔ والد مرحوم اور اس طرح دادا مرحوم بالکل ان پڑھ تھے، جوانی کے دور میں والد مرحوم نے قرآن کریم کا پہلا پارہ ناظرہ پڑھا تھا اس کے بعض مقامات بھی پڑھ لیا کرتے تھے ہاں قرآن کریم کی بعض سورتیں خوب یاد تھیں، نماز اور تلاوت میں انہی کو پڑھتے تھے، عمر کو خاصی تھی مگر بفضلہ تعالیٰ صحت قابل رشک تھی اور اپنا تمام کاروبار خود کرتے تھے ایک معمر نوکر بھی رکھا تھا جو کوہ مری کے علاقہ کا تھا اور عباسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا وہ بڑا پرہیز گار اور متشرع نماز اور نہایت خدمت گزار تھا، ہمارے مال مویشی اکثر وہی چرایا کرتا تھا اور ہم بھی کبھی اس کے ساتھ مال و مویشی کے چرانے میں شرکت کرتے تھے۔ پانی خاصا دور تھا اور وہ پانی بھی اکثر لاتا تھا ہمارا گھر گو اکیلا تھا مگر مہمان بکثرت رہتے اور خصوصاً ''لمبی'' کے ہمارے پھوپھی زاد بھائی تو اکثر وہاں رہتے تھے خوب چہل پہل رہتی، والد مرحوم بڑے مہمان نواز تھے۔ ''بٹ کس'' کی صاف وشفاف ندی سے خود مچھلیاں پکڑ کر لاتے اور مہمانوں کی مچھلیوں اور اس کے علاوہ مرغیوں اور گوشت سے خوب تواضع کیا کرتے تھے جب کسی موقع پر کوئی مہمان نہ آتا تو خاصے پریشان دکھائی دیتے تھے لیکن مہمانوں کے نہ آنے کا واقعہ سال میں کبھی کبھار پیش آتا تھا۔

تعلیم کا آغاز:

راقم نے جب ہوش سنبھالا تو زمینداری طریقہ سے گھر کے سب کام کرتا تھا لیکن والد مرحوم کو ہماری تعلیم کی بے حد فکر تھی اور اس جنگل میں تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا حسن اتفاق سے ہمارے پھوپھی زاد بھائی محترم مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب ولد سید دین علی شاہ صاحب مرحوم ساکن لمبی بٹل میں اسکول پڑھتے تھے اور غالباً اس وقت وہ چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے والد مرحوم نے راقم کو جب کہ غالباً عمر تیرہ سال کی ہوگی ۱۹۲۷ء کے قریب بٹل پہنچادیا اور پھوپھی زاد بھائی کے حوالہ کر دیا وہاں راقم کو اسکول میں داخل کر دیا گیا اور پہلی جماعت میں راقم نے تعلیم شروع کر دی رہائش ایک بڑھیا مائی کے ہاں تھی، راشن اپنا ہوتا تھا پکا وہ دیتی تھی نام تو اس کا یاد نہیں ہاں اتنا یاد ہے کہ یعقوب خان صاحب مرحوم کے گھر کے قریب ہی اس مائی کا گھر تھا مکئی کی روٹی اور کڑی اس مائی کے ہاتھ کی پکی ہوئی اب تک یاد ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔

بٹل کے بعد ملک پور:

نہ معلوم کن وجوہ اور اسباب کی بناء پر برادر محترم اچانک بٹل سے ملک پور چلے گئے اور وہاں فقیرا خان صاحب مرحوم کی مسجد میں ڈیرہ ڈال دیا اور شیر پور کے مڈل اسکول میں داخل ہو گئے کچھ عرصہ کے بعد والد مرحوم نے مجھے بھی وہاں پہنچا دیا اور ملک پور کی مسجد میں چھوڑ آئے اور اس موقع پر لمبی کے اور بھی کئی احباب وہاں آ گئے جن میں ہمارے دو اور پھوپھی زاد بھائی سید عبداللہ شاہ جو ہمارے بہنوئی بھی ہیں اور پیر ولی شاہ صاحب بھی تھے اور ان کے علاوہ چنار کوٹ اور کولیاں وغیرہ کے اور بھی کئی دوست جمع ہو گئے، رہتے تو ہم ملک پور میں تھے لیکن اسکول شیر پور میں پڑھتے تھے حتیٰ کہ راقم دوسری جماعت تک شیر پور میں پڑھتا رہا اور اس اثناء میں مسجد میں قاعدہ قرآن کریم ناظرہ اور نماز جنازہ کے ضروری مسائل سیکھ لئے۔

مانسہرہ: برادر محترم نے شیر پور میں مڈل پاس کر لیا اور راقم دوسری جماعت سے تیسری میں ہو گیا اسی موقع پر والد مرحوم نے عزیزم صوفی عبدالحمید کو ملک پور پہنچا دیا، یہ اس کا پہلا سفر تھا لیکن چونکہ اپنے ہی رشتہ دار چند ہم عصر ساتھ موجود تھے اس لیے اس نے بھی کوئی زیادہ تکلیف محسوس نہیں کی، اس زمانہ میں اخبار زمیندار بہت عروج پر تھا اور افغانستان میں بچہ سقاء کی شورش کی شہ سرخیاں اخبارات میں نمایاں ہوتی تھی، اسی زمانہ میں مانسہرہ میں محترم جناب غلام احمد صاحب عرضی نویس اور حضرت مولانا غلام غوث دامت برکاتہم کی کوشش سے ایک دینی آزاد مدرسہ اصلاح الرسوم کے نام سے قائم ہوا تھا۔ اور برادر محترم سید فتح علی شاہ صاحب اس مدرسہ میں جا کر داخل ہو گئے اور رہائش مانسہرہ کے قریب گنڈا کی مسجد میں رکھی، ہم لوگ بھی ملک پور سے کوچ کر کے گنڈا چلے گئے اور مانسہرہ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے، تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور تعلیم الاسلام مصنفہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کو خوب یاد کیا اور وہاں تقریر کا ڈھنگ بھی بتایا جاتا تھا ہم نے بھی چند باتیں یاد کر لیں اور تقریر شروع کر دی، اس درمیان پیدل ہی ہم گھر آتے جاتے تھے اس وقت لاری وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور والد مرحوم بھی اکثر ہماری خبر گیری کے لیے آتے تھے اور دیکھ بھال کر کے تسلی دے کر اور کچھ رقم دے کر چلے جاتے، ایک مرتبہ ہماری کپڑوں میں بے پناہ جوئیں دیکھ کر والد مرحوم رو پڑے ہماری برادری اور خاندان کے بعض حضرات والد مرحوم کو خوب کوستے اور طعنے دیتے کہ اس بڑھاپے میں تجھے اللہ تعالیٰ نے اولاد دی ہے لیکن تو ان کو گھر نہیں ٹکنے دیتا چونکہ ان کو ہماری تعلیم کا بے حد شوق تھا اس لئے وہ ان طعنوں کو سن کو صبر کر کے خاموش ہو جاتے۔

دادا اور والد کی وفات: اس اثناء میں ہمارے دادا مرحوم غالباً ۱۹۳۰ء کو ہماری غیر موجودگی میں رمضان المبارک کے

مہینہ میں بحالت روزہ وفات پاگئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ چونکہ اس وقت سواری کا انتظام نہ ہوتا تھا اور گنڈا اور ہمارے گھر سے تقریباً ۲۶ میل کی مسافت تھی اس لئے ہمیں اطلاع نہ بھیجی جاسکی، ہم تین چار دن کے بعد گھر پہنچے اس کے ایک سال بعد رمضان المبارک ہی کے مہینے میں ۱۹۳۱ء کے قریب ہمارے والد مرحوم کا انتقال ہوا اور ہم دونوں بھائی اس موقع پر گھر میں ہی تھے ہمارے پھوپھا سید دین علی شاہ صاحب مرحوم اور راقم وہاں سے چھ میل دور منڈی حال حاجی آباد کفن خریدنے چلے گئے اور کورے اور اچھڑیاں میں اپنے رشتہ داروں کو وفات کی اطلاع دینے کی غرض بھی تھی لیکن ان دونو جنگل میں کٹائی کا کام شروع تھا اور سوء اتفاق سے ان میں کوئی جنازہ میں شریک نہ ہوسکا، بجز ہماری سوتیلی والدہ کے بھانجے محترم جناب حاجی گوہر امان خان صاحب وہ ہمارے ساتھ ہولئے اور شام کے قریب ہم نے والد مرحوم کو پادرے کے قبرستان میں دادا مرحوم کی قبر کے پہلو میں دفن کیا والد مرحوم کی فوتگی کے بعد ہماری شیرازہ کچھ ایسا بکھرا کہ اس کے بعد ہم سب بہن بھائی اور سوتیلی والدہ مرحومہ کبھی اکٹھے نہیں ہوسکے، کہیں دو اکٹھے ہوجاتے اور کہیں تین، ہماری والدہ مرحومہ اور ہم زیادہ تر مسجدوں میں وقت گزارتے گھر کا اثاثہ سامان اور جانور کچھ اس انداز سے تقسیم کئے گئے کہ آج تک وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے فائدہ کس نے اٹھایا اور جو کچھ ہمارے حصہ میں آیا وہ کہاں گیا، بہرحال یتیموں کی داستان خاصی دردناک اور طویل ہوا کرتی ہے جس سے ہمیں بھی دو چار ہونا پڑا، اس دور میں برادر محترم سید فتح علی شاہ صاحب کے شادی ہوچکی تھی اور وہ باوجود شوق کے تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور اکثر گھر ہی رہنے لگے ہم لوگ بھی گنڈا سے نکل کر تتر بتر ہوگئے اور وہ ساتھی جو ملک پور اور اس کے بعد گنڈا میں جمع تھے پھر سب کبھی یکجا نہ ہوسکے۔

علاقہ کونش میں تعلیم: والد مرحوم کی وفات کے بعد گھر کے اجڑنے اور گنڈا سے نکلنے کے بعد تھوڑے عرصہ میں خاصی جگہیں بدلنا پڑیں، چنانچہ راقم کچھ عرصہ بٹل میں پڑھتا رہا اس کے بعد ہروڑی پائین میں حضرت مولانا سخی شاہ صاحبؒ کے پاس رہا، وہاں نور الایضاح اور صرف کی ابتدائی کچھ گردانیں یاد کیں، اور اس کے بعد کھکھو میں حضرت مولانا محمد عیسیٰؒ کے پاس رہا، اور پھر سنگل کوٹ میں مولانا احمد نبیؒ کے پاس رہا اور نحو میر کا کچھ حصہ پڑھا، پھر بائی پائین میں کچھ عرصہ رہا لیکن ان تمام جگہوں میں تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے نیز اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے وقت زیادہ صرف ہوا اور تعلیمی کام نہ ہونے کے برابر رہا، اور اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے لبی والے برادران کرام اس سلسلہ میں خاصے استاد ثابت ہوئے کہ جب کام کاج اور گھاس کاٹنے کے دن ہوتے تو وہ ہمیں جہاں کہیں بھی ہم ہوتے تلاش کر کے لبی لیجاتے اور کئی کئی دن تک کام کرواتے، جب کام سے فراغت ہوجاتی وہ پھر کسی نہ کسی مسجد میں ہمیں لے جا کر چھوڑ آتے اور عزیزم صوفی عبدالحمید اس درمیان اچھڑیاں اور کورے میں رہتا کبھی تنگ لائی سے بالن لے آتا کبھی گھاس اور شوتل کاٹ لاتا، اور کبھی کوئی اور خدمت جو اس کے سپرد ہوتی وہ سرانجام دیتا، اور کبھی کبھار لبی چلا جاتا (اچھڑیاں اور لبی کے درمیان تقریباً اٹھارہ میل کی مسافت ہے اور یہ پہاڑی علاقہ ہے) اس اثناء میں ایک نیک دل بزرگ نے مشورہ دیا کہ تمہارا وطن میں کیا ہے کہیں جا کر علم حاصل کرو۔ چنانچہ راقم نے عزیزم عبدالحمید کو ساتھ لیا اور دونوں ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ بھاگ کھڑے ہوئے، کہیں پیدل چلتے اور کہیں ریل گاڑی پر سوار ہوتے حتیٰ کہ ہم کوئٹہ بلوچستان جا پہنچے۔ وہاں متصل ایک بستی تھی وہاں ایک پرانے طرز کا (مسجد کا) مدرسہ تھا وہاں داخل ہوگئے اور وہاں ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کردیں، اس وقت بہترین قسم کا انگور وہاں ایک آنے کا دو سیر ملتا تھا اور یہ کوئٹہ کے (غالباً ۱۹۳۴ء میں) غرق ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں سے ہم بھاگ کھڑے ہوئے اور کلکتہ جا پہنچے، وہاں کچھ دن رہ کر پھرتے پھراتے پھر وطن پہنچ گئے، راقم لبی پہنچ گیا اور عزیزم اچھڑیاں اور دونوں کام کاج میں

مصروف ہوگئے، جوکام بھی ہم سے لیا جاتا بامر مجبوری ہمیں کرنا پڑتا لیکن کام صدق نیت سے کرتے اور راقم بفضلہ تعالیٰ کسی کام میں کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتا اور اس کا وہاں خاص شہرہ تھا، اس کے بعد راقم پھر دوبارہ بھاگا اور اپنے ایک رفیق سفر کے ساتھ جو چھٹہ بٹہ کا رہنے والا تھا سیدھا اجمیر شریف جا پہنچا، وہاں سے پھر چکر لگاتا ہوا واپس لمبی جا پہنچا۔ اور وہاں شیڑ کے مقام پر گوجروں کا امام بنا دیا گیا مسجد کے آس پاس کوئی گھر نہ تھا کبھی کوئی نمازی آجاتا اور کبھی نہ آتا راقم اکیلا ہی نماز پڑھ لیتا اور رات کو وہاں ہی مسجد میں سو جاتا، تو کبھی اکیلا سو جاتا اور کبھی خلیل کا کا مرحوم گوجر راقم کا ساتھی ہوتا، جو کھانا وہ لوگ دیتے وہ کھا لیتا، دن کو بندوق لے کر شکار کرتا، چکور وہاں بکثرت ہوتے تھے۔

شوق جہاد: مکئی کی فصل پر راقم کو چھ پیانے کی امامت کے معاوضہ میں ملی، کچھ پیانے دے کر شوق جہاد میں تلوار خریدی، بندوق پہلے سے ہی موجود تھی، ان دنوں آزاد قبائل انگریز کے خلاف لڑتے تھے جن کی قیادت مشہور مجاہد حضرت مولانا داد خان صاحب دامت برکاتہم کرتے تھے (موصوف راقم کی کتابیں پڑھ کر اور ان سے بے حد متاثر ہو کر گکھڑ برائے ملاقات تشریف لائے تھے اور چند دن قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے) لمبی سے تقریباً دو میل کی مسافت پر آزاد علاقہ شروع ہوتا تھا جہازوں کی بمباری کے علاوہ توپوں مشین گنوں حتیٰ کہ رات کے وقت رائفلوں کی آواز ہم بخوبی سنتے تھے، مولانا موصوف کو بمع اپنے چند ساتھیوں کے انگریز نے گرفتار کر لئے جو کافی عرصہ کے بعد بے حد مصائب اٹھا کر رہا ہوئے وہ تلوار اور بندوق لمبی میں ہی تھی اب معلوم نہیں وہ کس صاحب کے تصرف میں ہیں۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

طلب علم کے لئے دوبارہ سفر کا آغاز: اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب سید محمود شاہ بابا جی مرحوم ساکن لمبی کو انہوں نے ایک مرتبہ راقم کو پاس بٹھا کر بڑے نرم لہجہ اور معتدل گفتگو کے ساتھ یہ نصیحت کی اور فرمایا سرفراز! تو خاصا ذہین اور محنتی آدمی ہے اور اب تمہاری عمر بھی کوئی زیادہ نہیں جا کر علم حاصل کرو تو ان گوجروں کے گرٹ (روٹی) پر کیوں گرا ہوا ہے؟ ان کے اس پیارے اور مشفقانہ انداز سے نصیحت کا دل پر گہرا اثر ہوا اور دفعۃً وہاں سے دل اچاٹ ہوگیا لمبی سے روانہ ہوا اور برادرم محمد ایوب خان صاحب کو ساتھ لیا اور اچھڑیاں سے عزیزم عبدالحمید کو ساتھ لیا اور ہری پور جا پہنچے وہاں سے کھلابٹ ہوتے ہوئے دوڑ کی ندی کے کنارے پر پہاڑوں نام ایک چھوٹی سی بستی میں مقیم ہوگئے اور پکا پیالہ میں جا کر سبق پڑھ آتے اور رات کو اپنے مستقر پر آجاتے، وہاں محترم جناب سکندر خان صاحب ایک معمر بزرگ تھے وہ ہمارے کھانے اور لسی وغیرہ کا خاص اہتمام کرتے لیکن کچھ عرصہ کے بعد عزیزم عبدالحمید پھر اچھڑیاں چلا گیا۔ راقم کانپور (جو کہ ہری پور سے جنوب مشرق کی طرف روہی کی ندی کے کنارے سرسبز علاقہ ہے اور راجوں کا خانپور کہلاتا ہے) چلا گیا وہاں لوہاروں کی مسجد میں ٹک گیا اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سے جو اس مسجد کے امام تھے صرف کی ابتدائی بے سلیقہ اور بے ترتیب کتابیں شروع کردیں، موصوف نے بکریاں رکھ رکھی تھیں، راقم کی صحت بڑی اچھی تھی اور استادوں اور بزرگوں کا کام بڑی محنت اور نیک دلی سے کیا کرتا تھا موصوف اس جوہر کو تاڑ گئے، راقم دو تین میل باہر پہاڑوں میں چلا جاتا اور وہاں سے بکریوں کے لئے لانگی (وہاں کی اصطلاح میں چارہ) لاتا راقم کے پاس ایک قیمتی شاہڑی تھی وہ استاد محترم نے چھت کے ساتھ پنکھا بنا کر لٹکا دی بہانہ تو یہ کیا کہ اس کو کیڑا نہیں لگے گا لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ راقم بھاگ نہ جائے وہاں محترم کے عزیزوں میں سے کسی کا باغ تھا راقم کو وہاں چند دن کے لئے بھیج دیا گیا راقم خرمانیاں اتارتا ان سے ٹوکریاں بھرتا اور پھر ان کو سیتا اور وہ براستہ ٹیکسلا راولپنڈی پہنچتیں اور وہاں فروخت ہوتیں اس کام میں بھی راقم نے خوب محنت اور مہارت کا ثبوت دیا اب وہ تو راقم کے اور زیادہ گرویدہ ہوگئے اور اپنی ہی برادری میں سے ایک لڑکی سے رشتہ راقم سے جوڑنے کی سعی شروع کردی اور جب راقم کو اس کا پتہ چلا بلطائف الحیل شاہڑی ان

سے لی کیونکہ اس کا دہاں چھوڑنا بھی ایک غریب طالب علم کے لئے مشکل تھا اور ان سے لیتا تو مشکل تر تھا لیکن حکمت عملی کام آ گئی اور شاہڑی لے کر راتوں رات وہاں سے بھاگ نکلا، وہاں چند ماہ رہا لیکن سبق صرف برائے نام تھا اصل کام ان کا کام تھا راقم پھر لبی جا پہنچا وہاں چند دن رہ کر پھر اچھڑیاں اور کورے گیا اور وہاں عزیزم عبدالحمید کو خاصی ترغیب وترہیب کے ساتھ آمادہ اور دلاسا کیا اور اس کو ساتھ لے کر لاہور چلا گیا وہاں مصری شاہ میں ایک داڑھی منڈھے مولوی صاحب رہتے تھے جن کا نام غالباً عبدالواحد تھا اور عرب استاد سے مشہور تھے صرف اور نحو میں ان کو بڑی مہارت تھی، عربی روانی سے بولتے تھے اور پشتو بھی بڑی فصیح اور سلیس بولتے تھے، اپنا خیال یہ ہے کہ وہ قبائلی تھے لباس خالص عربی پہنتے تھے، عربی لباس اور عربی زبان بولنے کی وجہ سے شاید عرب استاد کہلاتے تھے، تعویذات ان کے بہت چلتے تھے اور انہی کی آمدنی پر وہ وقت بسر کرتے تھے انہوں نے بکری بھی رکھ رکھی تھی اور ہم اس کی خدمت بھی کرتے تھے اور اسی وجہ سے اکثر سیاہ رنگ کی عینک استعمال کرتے تھے ان کی شہرت کی وجہ سے ان کے پاس حفیظ بانڈی تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے ایک نوعمر مولوی صاحب جن کا نام فضل الٰہی تھا برائے تحصیل علم حاضر ہوئے اور عرب استاد سے غالباً اس وقت وہ نحو کی دقیق اور مشکل کتاب عبدالغفور اور مغنی اللبیب پڑھتے تھے اور ہمارے اسباق بالکل ابتدائی تھے، جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ پڑھنے کا بے حد شوق رکھتے ہیں لیکن ناتجربہ کاری کی وجہ سے کسی مدرسہ تک نہیں پہنچ سکتے تو انہوں نے ہمیں مرہانہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ حضرت مولانا غلام محمد صاحب مرحوم کے پاس بھیج دیا، اس وقت ہم تین ساتھی تھے راقم، عزیزم عبدالحمید اور مولوی عبدالحق صاحب ساکن ککھو، مگر افسوس کہ ہماری کتابیں بالکل ابتدائی تھیں اور ان کے پاس طلبہ زیادہ تھے، نیز داخلہ کے ایام بھی نہ تھے اس لئے انہوں نے داخلہ سے تو معذوری ظاہر کردی لیکن بایں ہمہ انہوں نے ہماری صحیح رہنمائی کردی کہ تم وڈالہ سندھواں (یہ مرہانہ سے چند میل کی مسافت پر ضلع سیالکوٹ میں خاصا مشہور قصبہ ہے) چلے جاؤ چنانچہ ہم وہاں چلے گئے وہاں بڑی مرکزی دومنزلہ وسیع مسجد کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لئے کمرے بنے ہوئے تھے اور کئی طلبہ وہاں رہتے تھے وہاں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ مدرس اور خطیب تھے حضرت کا آبائی علاقہ چونیاں ضلع لاہور تھا اور دورہ حدیث شریف انہوں نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ سے دہلی میں پڑھا تھا، غضب کے ذہین، بہترین مدرس اور چوٹی کے مقرر تھے، مسلکاً اہلحدیث تھے مگر خاصے معتدل فروعی مسائل میں نزاع اور اختلاف کو پسند نہ کرتے تھے، جب ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے راقم سے داخلہ کا امتحان لیا اور نحو میر میں معرفہ اور نکرہ کی تعریف دریافت فرمائی جو راقم نے فی الفور صحیح تعریف مع مثال عرض کردی اور بھی بعض سوالات کئے اور خوش ہو کر ہمیں مدرسہ میں داخل کرلیا، ہماری صحیح اور باقاعدہ تعلیم کا آغاز وڈالہ ہی سے شروع ہوا ہم وہاں تقریباً دو سال رہے۔ سبعہ معلقہ، شرح جامی اور قطبی تک کتابیں راقم نے وہاں ہی پڑھیں عزیزم عبدالحمید کی کتابیں ابتدائی تھیں، ہمارے استاد محترم اس وقت مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن اور نڈر سپاہی اور بے باک مقرر تھے، ہم لوگ باقاعدہ وردی پہنتے اور تلواریں گلے میں لٹکا کر پریڈ کرتے، ڈسکہ، گوبند کے اور لاہور کی تاریخی کانفرنسوں میں ہم نے رضاکارانہ وردیاں پہن کر شرکت کی، ان دنوں مسجد شہید گنج کا مسئلہ خوب زوروں پر تھا کچھ عرصہ کے بعد مولوی عبدالحق صاحب وہاں سے فرار ہو گئے۔ راقم قادر آباد پہنچا اور وہاں سے پھروہی کے مشہور درس میں جا پہنچا جہاں پہلے ماہر معقول ومنقول حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ پڑھاتے تھے اس کے بعد ہمارے استاد محترم ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ یادگار سلف حضرت مولانا ولی اللہ صاحب دامت برکاتہم تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے مختلف علاقوں سے ذہین اور پڑھنے والے طلبہ کا وہاں ہجوم رہتا تھا، راقم انہی سے چند میل دور لکہ میں مقیم ہو گیا وہاں مقام ہٹیاں کشمیر کے مولانا عبدالحمید صاحب بھی رہتے تھے ہم دونوں صبح سویرے وہاں چل کر

ان کے پاس جاتے اور سبق پڑھ کر ظہر تک واپس چلے جاتے، میبذی وغیرہ کتابیں راقم نے وہاں ہی پڑھی ہیں، انہی میں طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ طالبعلم ہر فن کی کتاب کا خود مطالعہ کر کے اور خوب سمجھ کر کتاب کا مطلب استاد کے سامنے بیان کرتا اور غلطی پر استاد اس کی اصلاح کر دیتے اس طریقہ سے بمشکل ایک دو سبق ہی حل کر سکتا نہایت ہی ذہین آدمی تین اسباق پڑھ سکتا تھا اس طرز سے طلبہ میں مطالعہ اور کتابوں کے سمجھنے اور حل کرنے کا جذبہ بخوبی اجاگر ہوتا تھا کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد راقم وہاں سے پکھی، منڈی بہاؤالدین، ملکوال، پنڈ دادن خان، بھیرہ، خوشاب سے ہوتا ہوا شاہ پور اور پھر وہاں سے سرگودھا اور وہاں سے تقریباً بیس میل دور جہاں آباد پیدل پہنچا، وہاں سے اتنا معلوم ہوا کہ عزیز عبدالحمید بمع اپنے رفیق کے آئے تھے اور کچھ دن یہاں رہے ہیں اور پھر چلے گئے ہیں وہاں رات رہ کر راقم خوشاب، بچھراں، کندیاں، کلورکوٹ سے ہوتا ہوا ضلع رائل پور (فیصل آباد) کے ایک قصبہ بازار والہ پہنچا، وہاں بریلوی مکتب فکر کا ایک درس تھا اور بیرونی طلبہ رہتے تھے وہاں سے معلوم ہوا کہ دونوں ملتان میں ہیں اور مولانا عبدالعلیم صاحب کے مدرسہ میں پڑھتے ہیں چنانچہ راقم وہاں سے روانہ ہو کر ملتان پہنچا اور عزیزم عبدالحمید بمع اپنے رفیق کے وہاں موجود تھے، ملاقات ہوئی گلہ شکوہ اور سفر کی تکلیفوں کا تذکرہ بھی ہوا اور ملاقات کر کے خوشی بھی ہوئی، وہاں ہم تینوں کچھ عرصہ رہے اور علم میراث کا ایک رسالہ جس کے مصنف خود مولانا موصوف تھے پڑھا مولانا بہت معمر تھے ان کے فرزند مولانا عبدالحلیم اور ان کے فرزند مولانا عبدالکریم اور ان کے فرزند مولوی عبدالشکور سب زندہ تھے لانگے خان کے باغ کے قریب ان کی مسجد تھی اور اس میں درس کتب جاری تھا یہ حضرات نہ پکے دیوبندی اور نہ پختہ بریلوی بین بین تھے، علم اور علماء سے بڑی عقیدت رکھتے تھے لیکن وہاں کھانے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا وہاں فی کس توے کی ایک روٹی سالم اور ایک آدھی ملتی تھی ہمارا اس کھانے پر بخوبی گزارا تو نہیں ہو سکتا تھا مگر چونکہ رمضان شریف بالکل قریب تھا اس لئے اختتام سال کے پیش نظر ہم وہاں ہی پڑے رہے جب سال ختم ہوا تو ہم تینوں وہاں سے روانہ ہو کر ملتان کے قریب ہی پیراں غائب کے مقام پر پہنچے، وہاں کچی کچی جھونپڑیاں تھیں اور ایک امام مسجد میاں عبداللہ صاحب سے اتفاقی ہماری ملاقات ہوگئی چونکہ ہمارے ایک ساتھی میر حسن شاہ صاحب سید تھے اور وہ لوگ سادات کی بڑی عزت کرتے تھے اس لئے انہوں نے ہماری بڑی عزت کی اور باسرار انہوں نے اپنے پاس رکھا اور رمضان شریف ہم نے سید صاحب کی برکت سے بڑا ہی مزے سے گزارا، جب رمضان شریف ختم ہوا تو ہم ۱۹۳۷ء میں جہانیاں منڈی ضلع ملتان پہنچے وہاں حضرت مولانا غلام محمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم بڑی جامع مسجد میں (جس کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لئے خاصے کمرے تھے) خطیب اور مدرس تھے موصوف حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد اور فضلاء دیوبند میں سے ہیں، ہم نے ان سے اسباق شروع کئے کچھ دنوں کے بعد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مظفر گڑھی دامت برکاتہم مدرس ہو کر تشریف لائے راقم نے وہاں عبدالغفور، حمداللہ، مسلم الثبوت اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ عزیزم عبدالحمید کے اسباق چھوٹے تھے اس کے بعد اختتام سال کے قریب ہی رفیق سفر کے اکسانے اور باہمی مشورہ سے بلاوجہ ہی روانہ ہو گئے چونکہ ان کے بھائی مولوی سید گل حسن شاہ صاحب گوجرانوالہ میں تھے انہوں نے اس کے پاس آنا تھا ہم بھی ساتھ ہی چلے آئے اور رمضان سے قبل ہی مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں نئے سال کے داخلہ کی منظوری لے لی، اس وقت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ المتوفی ۱۳۵۹ھ جو فضلاء دیوبند میں سے تھے اور وسیع النظر اور علم حدیث اور طبقات رواۃ پر بڑی گہری نگاہ رکھنے والے تھے وہاں مہتمم اور خطیب تھے داخلہ کی منظوری کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے رمضان المبارک میں ضلع گوجرانوالہ تحصیل حافظ آباد اور ضلع شیخوپورہ کے بہت سے دیہات کا تبلیغی اور اکتسابی دورہ کیا، رمضان شریف بھی ختم ہوا اور ہماری سیاحت بھی ختم ہوئی ماہ شوال میں ہم انوار العلوم میں داخل ہو گئے

وہاں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم کیملپوری صدر مدرس تھے۔ تقریباً تین سال ہم انوار العلوم میں رہے اور یہ وہ دور تھا جس میں ہٹلر کی اتحادیوں سے جنگ عظیم چھڑی ہوئی تھی اور سرکار برطانیہ کی قوت کی چولیں ڈھیلی دکھائی دیتی تھیں، اس اثناء میں ہم نے بڑی محنت اور دلجمعی سے تعلیم جاری رکھی اور محترم استاد کی خصوصی نوازشوں سے بہت استفادہ کیا۔ موقوف علیہ تک کی تمام اہم کتابیں ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، توضیح وتلویح، بیضاوی، تصریح، اقلیدس، صدرا، قاضی مبارک، شمس بازغہ، شرح نخبۃ الفکر اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں حضرت سے پڑھیں اور مطول وسراجی وغیرہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم سے پڑھیں اور باوجود غربت اور عسرت کے تعلیمی مشغلہ میں خوب انہماک رہا اساتذہ کرام بھی ہم سے بڑے خوش تھے۔

گمنامی کا دور: ان چھ سات سالوں میں ہم نے وطن میں اپنے بزرگوں اور رشتہ داروں کو کوئی اطلاع نہ دی کہ ہم ہیں یا نہیں؟ اور ہیں تو کہاں ہیں؟ اور کرتے کیا ہیں؟ جن حضرات کو ہمارے ساتھ قدرتی اور طبعی طور پر محبت تھی مثلاً والدہ ماجدہ اور ہمشیرگان وغیرہ تو وہ ہمارے بارے میں متفکر اور پریشان تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو غالباً والے بخیر گزشت کا ورد کرتے ہوں گے، بہر حال دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے اور یہ زمانہ ہم پر جیسے بھی گزرا آخر گزر گیا راقم کی موقوف علیہ تک سب کتابیں ختم ہوگئیں تھیں لیکن عزیزم عبدالحمید کی کتابیں باقی تھیں اور راقم اس کے لئے رکا رہا اور دورہ حدیث شریف کے لئے دار العلوم دیوبند نہ جاسکا اور بحکم استاد محترم تقریباً ڈیڑھ سال پرائیوٹ طور پر ایک جگہ مولوی فاضل کا کورس پڑھاتا رہا پچیس روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اور کھانا اور رہائش کا انتظام اس کے علاوہ تھا۔ کچھ دنوں کے بعد راقم بھی وطن گیا اور خویش اقارب سے ملاقات ہوئی چند دن وہاں رہا اور بعض مقامات پر تقریریں بھی کیں لوگوں کا زاویہ نگاہ قدرے بدل چکا تھا اور اب وہ وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور رشتہ داروں کی ملاقات کرکے راقم پھر واپس گوجرانوالہ پہنچا اور ۱۹۴۱ء میں ہم دونوں بھائی بمع چند دیگر ساتھیوں کے دار العلوم دیوبند روانہ ہوئے داخلہ کا امتحان دیا اور بفضلہ تعالیٰ ہم کامیاب رہے اور حدیث شریف کے دورہ میں شریک ہوگئے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاس مسلم شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کے پاس، اور ابوداؤد حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ کے پاس تھا اسی طرح دیگر اسباق دوسرے اساتذہ کرام پر تقسیم تھے، دن رات تعلیم ہوتی اور اس سال دورۂ حدیث شریف میں ہم ۳۳۳ ساتھی تھے کل تعداد اس سال ۱۹۹۵ تھی، ابتدائی مہینے تو بڑے آرام وسکون سے گزرے اور طلبہ کی تقریریں بھی بڑی جوش وخروش سے ہوتی تھیں اور راقم کے بارے بلاوجہ ایک دو تقریروں کے بعد یہ تاثر قائم کرلیا گیا کہ یہ اچھا مقرر ہے بلکہ ایک موقع پر مشہور شاعر جناب علامہ محمد انور صاحب صابری نے راقم کی تقریر سن کر یہ فرمایا کہ سرحدیوں میں یہ ابوالکلام کہاں سے پیدا ہوگیا ہے؟ درمیان سال میں حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مراد آباد میں ایک تقریر فرمائی اس سلسلہ میں ان پر مقدمہ چلا اور حضرت گرفتار ہوگئے طلبہ نے حضرت کی گرفتاری کے خلاف زبردست احتجاج کیا حتی کہ پولیس اور فوج کو مداخلت کرنا پڑی اور طلبہ نے اس موقع پر فرط عقیدت کی بناء پر کئی بار جلوس نکالے اور آخری جلوسوں کی قیادت اس ناچیز کے نازک کندھوں پر ڈال دی گئی (جس کی وجہ یہ تھی کہ متحدہ ہندوستان کے گیارہ صوبے تھے اور طلبہ نے اپنی سہولت کے لئے ہر صوبے کا ایک ایک نمائندہ مقرر کر دیا تھا ایک زبان ہونے کی وجہ سے صوبہ سرحد اور افغانستان کا نمائندہ راقم کو چنا گیا اور پھر ان تمام نمائندوں کا صدر راقم منتخب ہوا۔

قرعۂ فال بنام من مسکین زدند

اس وجہ سے ارباب دار العلوم دیوبند مجلس شوریٰ کے اراکین اور حکومت کے نمائندوں کا سلسلہ راقم سے وابستہ ہوگیا

کبھی صدر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے گفتگو ہوتی اور کبھی مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم سے اور کسی موقع پر حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب شاہ جہاں پوری سے صلاح ومشورہ ہوتا اور کبھی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے اور کبھی پولیس اور حکومت کا کوئی افسر اور کارندہ آجاتا اور کبھی سی آئی ڈی کا کوئی خیر خواہ مولویانہ شکل وصورت میں حالات معلوم کرنے کے لئے راقم کے ذہن کو کریدتا، ادھر طلبہ کی بے چینی اپنے عروج پر تھی، جلسوں پر جلسے اور نعروں پر نعرے لگتے کافی دن اس اضطراب میں گزر گئے اور راتوں کی نیند بھی کافور ہوگئی اور آہ وزاری میں وقت گزرتا رہا کہ اے پروردگار! کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہوجائے کہ ظالم برطانیہ کو دارالعلوم دیوبند کے بند کرنے کا بہانہ مل جائے یا اس کی تعلیم پر ہی کوئی ضد نہ پڑے بالآخر ایک دن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب شاہ جہانپوریؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب گنگوہیؒ موجود تھے بند کمرے میں گفتگو ہوئی اور حضرت مفتی صاحب نے اپنے وقار تحمل اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھ کر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں راقم کو مخاطب فرمایا کہ عزیز تم اس وقت تمام طلبہ کے نمائندہ ہو اور جو بات طے ہونی ہے وہ تمہارے ساتھ ہونی ہے اگر تم ہوش وحواس کو قابو میں رکھو اور ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنو تو ہم عرض کردیں اور اگر نعرہ بازی اور جوش وخروش کا اظہار کرو تو ہمارا کچھ عرض کرنا بالکل بے سود ہے، راقم نے عرض کیا کہ حضرت آپ ارشاد فرمائیں ان شاء اللہ العزیز تمام طلبہ تک پہنچادوں گا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ اس وقت بمبئی میں کانگریس کا حکومت برطانیہ کے خلاف راست اقدام کرنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حکومت کے عزائم بہر کیف اچھے نہیں ہیں، اگر یہاں دارالعلوم میں اس قسم کی ہنگامہ آرائی ہوئی تو لامحالہ حکومت اس ہنگامہ کی کڑی کانگریس کے اس راست اقدام سے جوڑ یگی اور پھر ہوسکتا ہے کہ حضرت مولانا مدنیؒ کے مقدمہ کی نوعیت بدل جائے یا غیر معین عرصہ تک دارالعلوم بند ہوجائے، یا حکومت برطانیہ کوئی اور ایسا فتنہ کھڑا کر دے، جس کو سنبھالنا اراکین دارالعلوم کے بس میں نہ ہو، حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ طلبہ کے اس ہنگامے کا کانگریس کے اس راست اقدام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ان کا جوش وخروش جتنا کچھ اور جیسا کچھ بھی ہے وہ صرف حضرت مدنیؒ کی گرفتاری کے خلاف ایک منظم احتجاج ہے اور اپنے شیخ اور استاد محترم کے عقیدت کا اظہار ہے، اس لئے مفاد دارالعلوم اسی میں ہے کہ ہنگامہ ختم کیا جائے اور طلبہ جلسوں اور جلوسوں اور نعرہ بازی سے گریز کریں اور فوراً اپنی اپنی کلاسوں میں چلے جائے اور ذوق وشوق سے تعلیم جاری رکھیں، حضرت مفتی صاحبؒ کی بات چونکہ نہایت معقول اور رائے بڑی وزنی تھی راقم ان کا ہمنوا ہوگیا، لیکن دو ہزار افراد کے قلبی جذبات کو یک لخت ٹھنڈا کردینا کس کے بس میں تھا؟ اور ان میں ہر ملک کے حضرات شامل تھے ہر ایک کا مزاج اور طبیعت الگ الگ تھی، سوچ اور سمجھ کا مادہ جدا جدا تھا اور ان میں فتنے اور فساد کو فرو کرنے والے بھی تھے اور ان میں میں ابھارنے والے بھی تھے ان میں بیشتر حضرات خیر خواہ تھے لیکن بدقسمتی سے حکومت کے ایماء سے بدخواہ بھی ان ہنگاموں میں شامل ہوگئے تھے اور ان میں پیش پیش تھے اور انتہائی غلط قسم کی حرکات پر اکساتے تھے لیکن بفضلہ تعالیٰ باوجود نوعمری کے راقم ان کے چکمہ میں نہ آیا اور جلوس کو پرامن رکھنے کی سعی میں منہمک رہا جب کہ ایک نازک موقع پر شرارت پسند لوگوں کی وجہ سے قریب تھا کہ تشدد کا بہانہ بنا کر فوج گولی چلادیتی، الغرض راقم نے پیش آنے والے بعض خطاؤں کا تذکرہ حضرت مفتی صاحبؒ سے کردیا اور طلبہ کے جوش وخروش اور جذبات کو دفعۃً ٹھنڈا کرنے کی اہمیت ان کے پیش نظر بھی تھی ہم نے اپنے تمام نمائندوں کو بلا کر سب کے سامنے حقیقت حال بیان کردی، باقی حضرات تو ہمارے ہم خیال ہوگئے لیکن صوبہ بہار کا نمائندہ اس پر آمادہ نہ ہوا اور انہوں نے خاصی تیزی کا اظہار کیا اور بلاوجہ ہم پر ساز باز کا الزام لگایا ادھر شوریٰ کا ہنگامی اور مختصر اجلاس ہوا اور اس کے بعد فوراً دارالحدیث میں جلسہ عام ہوا جس میں اکابر نے دارالعلوم کے مفاد کے بارے اپنے نیک اور بھرپور خدمات کا

اظہار فرمایا اس عمومی جلسہ کا اثر یہ ہوا کہ اکثر حضرات مطمئن ہو گئے کچھ ہنگامہ خیز طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں اور انہوں نے ہنگامہ جاری رکھنے پر خاصا زور صرف کیا ہو سکتا ہے کہ بعض مغلوب الحال لوگ فرط عقیدت کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں اور غالباً کچھ لوگ حکومت کی شہ پر ایسا کرتے ہوں تا کہ تشدد کا بہانہ بنا کر حکومت کو دست اندازی کا موقع مل سکے بہر حال تعلیم جاری ہو گئی اور بخاری شریف اور ترمذی شریف کا بقیہ حصہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ نے پورا کیا جب سالانہ امتحان قریب آیا تو پھر ہنگامہ خیز طبیعتوں نے دفعتہً ہنگامہ برپا کر دیا اور مطالبہ یہ رکھا کہ امتحان کے بغیر ہی ہمیں پاس تصور کیا جائے اور مفت میں سندیں مل جائے اور ہنگامہ میں غبی بے محنت اور نالائق پیش پیش تھے مگر چونکہ یہ مطالبہ سراسر غیر معقول تھا اس کے لئے اراکین مدرسہ اس پر آمادہ نہ ہوئے اور معمول سے چند دن پہلے ہی دار العلوم بند کر دیا گیا اور اہتمام کی طرف سے صاف اعلان کر دیا گیا کہ امتحان کسی مناسب موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گا اس وقت آپ حضرات چلے جائیں۔

وطن کو روانگی: ہم دونوں بھائی دار العلوم سے روانہ ہو کر سیدھے اچھڑیاں پہنچے جہاں ہماری سوتیلی والدہؒ اور حقیقی چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم مرحومہ تھیں سب سے پہلے ہم نے اس کی شادی کا انتظام کیا اور برادرم دولت خان صاحب ساکن اچھڑیاں سے اس کی شادی کر دی، مہر اور بعض دیگر شرعی رسموں کے بارے بعض رشتہ داروں نے کچھ بے جا پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی مگر ہم دونوں بھائیوں نے سختی سے مزاحمت کی اور صرف دو سو روپیہ مہر مقرر ہوا۔ اس ضروری کام سے فارغ ہونے کے بعد ہم دونوں بھائی لمبی چلے گئے اور عزیزم عبد الحمید تو وہیں ٹھہرے، راقم وہاں سے روانہ ہو کر اچھڑیاں پہنچا اور وہاں سے رخصت ہو کر چھ بتہ، متھال، ایبٹ آباد، دمتوڑ، حویلیاں پہنچا ان مقامات پر اپنے دوستوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں یہ سارا سفر رمضان مبارک میں اور لطف یہ کہ پیدل طے ہوا، حویلیاں سے بذریعہ ریل گاڑی راقم مدرسہ انوار العلوم جامعہ مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ پہنچا، رمضان شریف کے بعد عزیزم عبد الحمید بھی گوجرانوالہ پہنچ گیا راقم کو اس مدرسہ میں صرف پندرہ روپے ماہانہ پر اساتذہ کرام کے حکم پر مدرس مقرر کر دیا گیا اور عزیزم عبد الحمید گوجرانوالہ کے قریب مقام کھیالی میں جامع مسجد میں خطیب مقرر ہو گیا چونکہ راقم پہلے ہی مولوی فاضل کا مکمل کورس پڑھا چکا تھا اساتذہ کرام کو بھی اعتماد تھا اور طلبہ بھی مطمئن تھے اس لئے راقم کے پاس درجہ وسطیٰ کے اسباق شروع ہو گئے اور بحمد اللہ تعالیٰ کام تسلی بخش طور پر جاری رہا اسی اثناء میں دار العلوم دیوبند سے امتحان کے لئے طلب کیا گیا اور ہم دونوں بھائی گوجرانوالہ سے روانہ ہو کر دیوبند پہنچے اور امتحان دیا اور پھر واپس آگئے امتحان کے نتیجہ پر معلوم ہوا کہ بحمد للہ تعالیٰ ہم دونوں کامیاب ہیں اور کچھ عرصہ بعد بذریعہ ڈاک ہماری سندیں بھی ہمیں موصول ہو گئیں۔ سوء اتفاق سے عزیزم عبد الحمید کھیالی میں بیمار ہو گیا اور کافی دن بیمار رہا راقم پیدل ہی چل کر اس کی خبر گیری کرتا اور اختتام سال کے قریب راقم میعادی بخار میں مبتلا ہو گیا اور بوجہ ناداری کے خاطر خواہ علاج کی سہولت میسر نہ ہو سکی اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل و کرم کیا اور تقریباً ایک ماہ کے بعد راقم تندرست ہوا مگر کمزوری بے پناہ تھی آخری ایک دو ماہ کی تنخواہ مدرسہ کی طرف سے بیس روپے ماہانہ کر دی گئی لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہ پڑا اور امتحان کے بعد سالانہ تعطیل ہو گئی اور اساتذہ کرام اور طلبہ اپنے اپنے وطن روانہ ہو گئے۔

گکھڑ میں آمد: راقم ابھی دیوبند نہیں گیا تھا اور موقوف علیہ تک کی سب کتابیں ختم ہو چکی تھیں مگر عزیزم عبد الحمید کی کتابیں باقی تھیں اس کے لئے ابھی رکا رہا اس اثناء میں دار العلوم دیوبند کے سفیر مولانا عبد الرحمٰن صاحب بہاری گوجرانوالہ تشریف لائے اور راقم سے کہنے لگے کہ میں پنجابی زبان نہیں جانتا تم میرے ساتھ گکھڑ چلو راقم ان کے ساتھ گکھڑ آیا سفیر صاحب کا اصل مقصد تو دار العلوم کے لئے چندہ اکٹھا کرنا تھا لیکن اہل گکھڑ نے تقریر کی فرمائش کر دی

چنانچہ بٹ دری فیکٹری کے سامنے کھلے میدان میں عشاء کے بعد موصوف نے بھی چند منٹ اردو میں تقریر کی، اور اس کے بعد راقم نے تقریباً ایک گھنٹہ پنجابی میں تقریر کی بحمد اللہ تعالیٰ خاصی موثر رہی اور دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد عالم اسباب میں یہی تقریر میرے گکھڑ آنے کا سبب قرار پائی، مجھ سے پہلے حضرت مولانا علم الدین صاحب جالندھری فاضل دیوبند یہاں خطیب تھے موصوف کی طبیعت بہت نرم ہے اس لئے گکھڑ جیسے بدعت کے گڑھ میں شرک وبدعت کے طوفان کا مقابلہ پوری طرح ان سے نہ ہوسکا، ان سے پہلے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب جالندھری نے خاصا کام کیا، راقم مدرسہ انوار العلوم میں مدرس تھا کہ درمیان سال میں اراکین انجمن اسلامیہ گکھڑ میں سے بعض حضرات کئی دفعہ راقم کو گکھڑ لانے کے لئے تشریف لے گئے مگر راقم مجبور تھا جب مدرسہ انوار العلوم کا سالانہ امتحان ہو چکا اور تعلیمی سال پورا ہوگیا تو محترم چوہدری حاجی فخر الدین صاحب مرحوم اور محترم جناب ماسٹر کرم الدین صاحب مرحوم وغیرہ حضرات آگئے اور راقم کو پینتالیس روپے ماہانہ کے مشاہرے پر گکھڑ لے آئے اور راقم ۹ جولائی ۱۹۴۳ کو گکھڑ پہنچا اور درس شروع کر دیا اور جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری قبول کی لیکن ابتدائی دور شدید مخالفت کی وجہ سے بہت صبر آزما گزرا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور آہستہ آہستہ لوگ توحید وسنت سے شناسا ہونے لگے اور شرک وبدعت کی نفرت ان کے دل میں بیٹھنے لگی، راقم نے اراکین انجمن سے یہ شرط طے کی تھی کہ طلبہ ضرور ہوں گے، ورنہ میری تعلیم بھی ختم ہوجائے گی اور ٹھوس طریقہ سے نتیجہ خیز دینی خدمت بھی نہیں ہوسکے گی، میری دلجوئی کے لئے انہوں نے پانچ طلبہ منظور کئے پہلے سال تو اتنے ہی طلبہ رہے مگر پھر بحمد للہ تعالیٰ طلبہ کی تعداد بڑھتی گئی حتیٰ کہ پھر بیس سے بھی زائد طلبہ یہاں رہنے لگیں اور یہ سلسلہ تقریباً تیرہ چودہ سال رہا اس کے بعد راقم کا بحیثیت مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ شوال ۱۳۷۴ھ کو تقرر ہوا، ابتداء موقوف علیہ تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں راقم پڑھاتا رہا اب کئی سال سے دورہ حدیث شریف کی دو کتابیں بخاری شریف اور ترمذی شریف اور ترجمہ قرآن کریم تو ہر سال لازم ہوتا ہے ان کے علاوہ بھی ایک دو سبق راقم کے سپرد ہوتے ہیں اور تقریباً پندرہ سولہ سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ انجمن اسلامیہ گکھڑ کی طرف سے راقم کے ذمہ صرف جمعہ اور درس کی ڈیوٹی ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ چھبیس سال سے راقم باقاعدہ نماز بھی حسبۃ للہ تعالیٰ پڑھا رہا ہے اس کے علاوہ گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ میں ۱۹۴۳ء سے قرآن پاک کا درس دیتا ہے اور یہ سب کام بحمد اللہ تعالیٰ تادم تحریر جاری ہیں اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

پہلی شادی: ۲۴ مئی ۱۹۴۵ء کو راقم کی پہلی شادی سکینہ بی بی بنت مولوی محمد اکبر صاحب مرحوم قوم راجپوت خطیب جامع مسجد اسلام بستی، گوجرانوالہ سے ہوئی جس سے سات بچے پیدا ہوئے، پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں، دو لڑکے فوت ہوگئے ہیں عبد الرشید اور عبد الکریم باقی پانچ زندہ ہیں۔ بڑا لڑکا محمد عبد المتین خان زاہد (جو زاہد الراشدی اپنا تخلص رکھتا ہے) حافظ قرآن اور مدرسہ نصرۃ العلوم کا فارغ ہے اس وقت مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں مدرس اور جامع مسجد کا نائب خطیب اور شادی شدہ ہے، بڑی لڑکی سلمیٰ اختر کی اچھڑیاں ضلع ہزارہ میں شادی ہوئی ہے۔ اور ان سے چھوٹا عبد القدوس خان قارن حافظ قرآن اور مستند قاری اور اس وقت نصرۃ العلوم میں درجہ وسطیٰ میں پڑھ رہا ہے۔ اس سے چھوٹی لڑکی حافظہ سعیدہ اختر جو مستند قاریہ ہے اور اس وقت مشکوۃ شریف وغیرہ کتابیں اپنے چچا عزیزم عبد الحمید سے پڑھ رہی ہے اور مدرسہ نصرۃ العلوم میں شعبہ نسواں میں پڑھاتی بھی ہے اس سے چھوٹا لڑکا عبد الحق خان بشیر چھٹی جماعت پاس ہے اور اس وقت قرآن کریم یاد کر رہا ہے اللہ تعالیٰ سب کو دین پر قائم رکھے آمین۔

دوسری شادی: بعض اشد مجبوریوں کی وجہ سے راقم نے ۳ رجب ۱۳۷۱ھ ۳۰ مارچ ۱۹۵۲ء میں دوسری شادی اپنے والد محترم مرحوم کے چچازاد بھائی محمد فیروز خان صاحب مرحوم ساکن کورے کی لڑکی زبیدہ بی بی (سابق نام مہر انگیز)

سے کی جس سے سات بچے ہوئے ایک لڑکی اور چھ لڑکے ایک لڑکا محمد یونس خان راشد فوت ہوگیا ہے، باقی زندہ ہیں بڑا لڑکا محمد اشرف خان ماجد قرآن کریم حفظ کر چکا ہے اور اب وہ اس کو دھرا رہا ہے۔ اس چھوٹی لڑکی کی طاہرہ آسیہ خاتون بھی قرآن کریم یاد کر چکی ہے اس سے چھوٹے شرف الدین خان حامد اور رشید الحق خان عابد قرآن کریم یاد کر رہے ہیں اور اسکول میں پانچویں جماعت میں داخل ہیں دوان سے چھوٹے ہیں عزیز الرحمٰن شاہد اور عنایت اللہ الوہاب خان ساجد (آٹھواں بچہ منہاج الحق راشد اس مضمون کے بعد پیدا ہوا) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو علم دین سے مالا مال کرے اور اپنی رضا کی توفیق بخشے آمین۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم کی دونوں بیویاں زندہ ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہیں ایک ہی چولہے پر اکٹھا پکاتی ہیں اور آج تک کوئی ایسی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی جس کی وجہ سے علیحدگی کا سوال یا مطالبہ سامنے آیا ہو اور یہی حال بچوں کا ہے۔ بحمد للہ تعالیٰ آپس میں شیر و شکر ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اتفاق و اتحاد سے رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق بخشے (حضرت کی دونوں بیویاں اب وفات پا چکی ہیں۔)

تصنیف وتالیف: راقم کا اصل کام تو تعلیم و تدریس رہا ہے لیکن فارغ اوقات میں محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق سے متعدد اختلافی اور تحقیقی مسائل پر چھوٹی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں اور بحمد للہ تعالیٰ کئی کئی بار اکثر کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور پاک وہند کے اکابر علماء کرام نے ان کی تصدیق کی ہے اور بعض کتابوں پر ان کی زریں تصدیقات بھی طبع شدہ ہیں فہرست کتب سے ان کے مضامین معلوم ہو سکتے ہیں اور فہرست مطبوع مل سکتی ہے اجمالی طور پر کتابوں کا نام یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ (۱) الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی (۲) گلدستہ توحید (۳) دل کا سرور (۴) آنکھوں کی ٹھنڈک (۵) راہ سنت (۶) باب جنت (۷) ہدایۃ المرتاب (۸) چراغ کی روشنی (۹) احسن الکلام (۱۰) طائفہ منصورہ (۱۱) مقام ابی حنیفہؒ (۱۲) صرف ایک اسلام (۱۳) چراغ کی روشنی (۱۴) علم غیب اور ملا علی قاری (۱۵) تسکین الصدر (۱۶) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ (۱۷) تبلیغ اسلام حصہ اول (۱۸) انکار حدیث کے نتائج (۱۹) عیسائیت کا پس منظر (۲۰) چالیس دعائیں۔ (۲۱) آئینہ محمدی (۲۲) بانی دار العلوم دیوبند (۲۳) مسئلہ قربانی (۲۴) عمدۃ الاثاث (۲۵) تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین (۲۶) شوق جہاد وغیرہ اس کے علاوہ بعض کتابوں کے ترجمے اور بعض کے مقدمات بھی لکھے ہیں مثلاً رسالہ تراویح مولانا غلام رسول صاحب مرحوم کا ترجمہ مع مقدمہ، اعفاء اللحیۃ کا ترجمہ مع مقدمہ۔ تحقیق الدعاء بعد الجنازۃ کا مقدمہ۔ البیان الازہر ترجمہ فقہ اکبر (یہ ترجمہ عزیزم صوفی عبد الحمید نے کیا ہے) مقدمہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کچھ کتابیں ابھی طبع نہیں ہو سکیں۔ بعض کے مسودات لکھے جا چکے ہیں لیکن کم فرصتی اور علالت کی وجہ سے ذمہ داری کے ساتھ نظر ثانی کا موقع میسر نہیں ہے اور بعض کے مضامین کو جمع کر لئے گئے ہیں مگر خاطر خواہ ترتیب ابھی تک نہیں دی جا سکی مثلاً ختم نبوت۔ نزول مسیح علیہ السلام۔ سماع موتی۔ مسئلہ تراویح۔ رفع یدین و آمین بالجہر وغیرہ پر رسالہ۔ الکلام المفید۔ شوق حدیث۔ عبارات اکابر وغیرہ ان میں بعض رسالے مرتب ہیں اور امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز جلد ہی طبع ہو جائیں گے (یہ سب کتب طبع ہو چکی ہیں) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر راقم کے گناہوں کا کفارہ بنائے اور ان کو اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔

عزیزم عبد الحمید (حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی قدس سرہ حضرت امام اہلسنت سے پہلے وفات پا گئے رحمہ اللہ تعالیٰ) عزیزم کے دورہ حدیث شریف تک تعلیمی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے زائد بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ عزیزم نے دار المبلغین لکھنؤ میں امام اہل السنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ کی سرپرستی میں باطل فرقوں کے ساتھ مناظرہ کے فن کی تکمیل کر کے سند حاصل کی، اس کے بعد راقم کی مرضی کے خلاف طبیہ کالج حیدر آباد دکن میں چار سال کا کورس مکمل کر کے طبیب مستند کی سند حاصل کی اور پھر گوجرانوالہ میں کچھ عرصہ حکمت کی دکان بھی کرتا رہا لیکن راقم

جس چیز کو پسند کرتا تھا یعنی تعلیم وتدریس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اس کا رجحان ومیلان کر دیا اور مدرسہ نصرۃ العلوم کی بنیاد واجراء کے بعد وہ اس کا مہتمم مقرر ہوا اور جامع مسجد نور کا خطیب اور بفضل اللہ تعالیٰ درس جمعہ پر موثر تبلیغ کی برکت سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے اور مدرسہ کا کام بھی بحمد للہ تعالیٰ بہت عمدہ پیرایہ سے ہو رہا ہے اور خصوصی وعمومی درس اور طلبہ کے اسباق کے علاوہ اس کی کوشش سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی نادر کتابیں بڑی صحت کے ساتھ طبع ہوئی ہیں مثلاً الطاف القدس، تکمیل الاذہان، مجموعہ رسائل، اسرار المحبۃ اور تفسیر آیۃ النور وغیرہ اور فیوضات حسینیہ کا ترجمہ اور مقدمہ اس کے علاوہ ہے۔

بڑے اصرار کے ساتھ راقم نے گکھڑ میں عزیز غلام زہرہ بنت مہر کریم بخش صاحب کے ساتھ ۱۲ ذوالحجۃ ۱۳۸۲ھ ۷ مئی ۱۹۶۳ میں اس کی شادی کرائی جس سے چار بچے پیدا ہوئے ہیں، عزیزہ میمونہ (تقریباً آٹھ سال کی عمر ہے اور یہ بڑی ہے) عزیزم محمد فیاض، محمد ریاض اور عزیزہ عاتکہ جو شیر خوار ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور درازیٔ عمر کے ساتھ دین کا علم عطاء فرمائے۔ (اس مضمون کے بعد عیاض مرحوم، راشدہ، عرباض، رابعہ اور لبابہ مرحومہ بھی پیدا ہوئے۔ مدیر) آمین ثم آمین۔

تحریک ختم نبوت: جب ۱۹۵۳ء میں پاکستان میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو بحمد للہ تعالیٰ ہم دونوں بھائیوں نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور بالآخر گرفتار کر لئے گئے راقم پہلے گرفتار ہوا اور چند دن گوجرانوالہ کی جیل میں رکھنے کے بعد اسی سلسلہ کے قیدیوں کو نیو سینٹرل جیل ملتان منتقل کر دیا گیا، تحریک ختم نبوت سے وابستہ حضرات چار اضلاع (گوجرانوالہ، سیالکوٹ، سرگودھا اور کیمبلپور) کے وہاں جمع تھے اور جیل میں خوب تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہا تقریباً نو ماہ راقم جیل میں رہا اور سخت گرمی کے زمانہ میں جولائی کے مہینہ میں رمضان مبارک کے روزے ملتان جیل میں ہم نے رکھے اور صرف ایک اسلام کا مسودہ نیو سینٹرل جیل ملتان ہی میں تیار کیا گیا، اور عزیزم عبدالحمید اور بعض دیگر دوست چونکہ دیر سے گرفتار کئے گئے تھے اس لئے گوجرانوالہ کی جیل ہی میں رہے اور ہم سے کچھ عرصہ پہلے ہی رہا ہو گئے اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے اور سب مسلمانوں کو عقیدہ ختم نبوت پر قائم ودائم رکھے۔ (آمین)

حج: اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے جہاں ہم پر اور بہت سی نوازشیں فرمائیں وہاں یہ کرم بھی اس نے کیا کہ دونوں کو حج کی سعادت نصیب ہوئی، عزیزم عبدالحمید تو شادی سے پہلے ہی حج کر آیا تھا اور راقم کو ۱۳۸۸ھ میں حج کی توفیق نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس حج کو حج مبرور کرے اور ہمارے کوتاہیوں کے لئے اس کو ذریعہ کفارہ بنائے۔ بے شک ہمارے گناہ بھی بے حد ہیں لیکن اسکی رحمت بے پایاں، آخر بے حساب ہے۔

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت — کریم تو ہی بتا دے حساب کر کے مجھے

نہایت ہی اختصار کے ساتھ اپنی فانی اور مستعار زندگی کے کچھ ضروری حالات لکھ دیئے گئے اللہ تعالیٰ بقیہ زندگی کو اپنی رضا اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور دین کی خدمت میں گزارنے کی توفیق اور اس پر استقامت مرحمت فرمائے۔ (آمین) وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی اله واصحابه وازواجه وجمیع امته امین یا رب العالمین.

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ، ۵ رجب ۱۳۹۱ھ ۲۷ اگست ۱۹۷۱ء

(بشکریہ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

☆☆☆